سالگرہ نمبر

ایمل رضا

تاش گھر

بائیسویں قسط

"کیا مجھے مارنا چاہتے ہو۔؟" ڈر سے کانپتے ہوئے باریشہ نے پوچھا تھا۔

"ہاں....." اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے لڑکے نے اتنے ٹھوس لہجے میں کہا تھا کہ باریشہ کو یقین ہو گیا تھا کہ اب اس کے پاس زندگی کے بس چند لمحے ہی باقی بچے ہیں۔ اور پھر اگلے ہی لمحے فضا میں ایک فائر کی آواز گونجی تھی۔ باریشہ نے دلدوز چیخ ماردی تھی۔ موت قریب تھی۔ اس نے سختی سے آنکھیں بھینچ لی تھیں اور خدا کو یاد کرنے لگی تھی۔

"لڑکی کو چھوڑ دو....." کوئی تیسری مردانہ آواز گونجی تھی۔ باریشہ نے آنکھیں کھولی تھیں۔ اور اسے احساس ہوا تھا کہ گولی اس پر نہیں داغی گئی ہے۔ ایک لڑکا گلی کے سرے پر کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ فائر اسی نے فضا میں کیا تھا اور اب پستول اس لڑکے پر تان لی تھی۔ جو اپنی کہنی سے باریشہ کی گردن دبوچے کھڑا تھا۔

"میں کہتا ہوں کہ لڑکی کو چھوڑ دو..... ورنہ میں گولی چلانے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگاؤں گا۔" گلی کی شروعات میں کھڑے لڑکے نے دھمکی آمیز بلند آواز میں کہا تھا۔

"..... اگر نہ چھوڑوں تو.....؟"

TheUrduBooks.Com
TheUrduBooks.Com

جولیاً فضا میں دوسرا فائر کیا گیا تھا۔

"قسم کھاتا ہوں کہ تیسرا فائر تمہارا سر اُڑا دے گا۔" لڑکے نے اتنے دبنگ انداز میں کہا تھا کہ سو فی صد اُمید کی جا سکتی تھی کہ وہ ایسا ہی کرے گا۔ باریشہ نے اپنے چہرے تک آئے لڑکے کو دیکھا تھا۔ جو غصے سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بادل زور زور سے گرج رہے تھے اور بارش دھواں دار ہو رہی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو

TheUrduBooks.Com
TheUrduBooks.Com

دیکھتے جا رہے تھے۔

"آخری بار کہہ رہا ہوں۔ لڑکی کو چھوڑ دو....."

"آج تو بچ گئی ہو۔ اگلی بار نہیں بچ سکو گی۔" لڑکے نے اپنی پستول سے اس کے چہرے پر دستک سی دیتے ہوئے کہا تھا اور پھر اس سے پرے ہو گیا تھا۔ پستول کو اس نے اپنی پینٹ کی بیک پر رکھا تھا۔ بائیک پر بیٹھا تھا اور کک مارتے ہوئے وہاں سے چلا گیا تھا۔ باریشہ کی جان میں جان آئی تھی۔ بہت دیر سے رکا ہوا سانس بحال ہوا تھا۔ اس نے اس لڑکے کی طرف دیکھا تھا جو گلی کے شروع میں کھڑا تھا۔ جواب آہستگی سے چلتا ہوا اس کے قریب آ رہا تھا۔

"تم ٹھیک ہو۔؟" وہ پیار سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں..... میں ٹھیک ہوں۔" باریشہ نے بمشکل ہاں میں سر ہلایا تھا۔

"جانتی تھیں تم اسے.....؟"

"نہیں بالکل نہیں....."

"لگتا ہے کہ کوئی اوباش تھا۔ لڑکی کو اکیلا دیکھ کر تنگ کرنے لگا۔" لڑکے نے آگے بڑھ کر فاصلے پر گرا ہوا باریشہ کا ہینڈ بیگ اُٹھا لیا تھا

"یہ تمہارا ہے۔؟"

"ہاں..... یہ میرا ہے۔"

"پکڑو..... فون کر کے گھر سے کسی کو بلا لو۔"

"میں آج موبائل لانا بھول گئی ہوں۔" بیگ پکڑتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"یہ لو میرے موبائل سے کال کر لو....." اس نے اپنا موبائل نکال کر اس کے آگے کیا تھا۔ باریشہ نے موبائل نہیں پکڑا تھا۔

"مجھے گھر میں کسی کا نمبر یاد نہیں ہے۔" اس نے کہا تو لڑکے نے اسے ایسے دیکھا تھا جیسے اس کی بے وقوفی پر افسوس کر رہا ہو۔

"کیا تم مجھے میرے گھر تک چھوڑ سکتے ہو۔" بارش میں سردی سے کانپتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

تیز بارش کی وجہ سے باریشہ کے ہونٹ جامنی ہونے لگے تھے۔ لڑکے کو فوراً سے اس کی حالت کا اندازہ ہوا تھا۔ اس نے اپنی شرٹ اُتاری تھی اور باریشہ کی طرف بڑھائی تھی۔ خود وہ وائٹ سفید باریک ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ جو بارش کی وجہ سے اس کے کسرتی جسم سے چپک چکی تھی۔

"یہ خود پر لپیٹ لو..... موٹی تو نہیں ہے۔ لیکن کچھ نہ کچھ فائدہ تو دے گی ہی....." باریشہ نے انکار نہ کرتے ہوئے شرٹ پکڑ کر خود پر لپیٹ لی تھی۔

"گھر کہاں ہیں تمہارا.....؟"

"زیادہ دور نہیں ہے۔ تھوڑے فاصلے پر ہی ہے۔"

"چلو..... چلتے ہیں پھر....." اس نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ باریشہ اس کے پیچھے چلنے لگی تھی۔

"میرا نام ضامن ہے۔ تمہارا کیا ہے۔؟"

"باریشہ....." اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے باریشہ نے کہا۔

ساون کی وہ بارش رکنے کا نام نہ لیتی تھی۔ بارش جیسے سارے پرانے قرض آج اُتارنے کا قصد کیے ہوئے تھی۔ بادل گرجتے ہوئے جاتے تھے اور نجانے کہاں سے پانی بھر کر واپس وہی لوٹ آتے تھے۔ سڑکوں پر اسی

TheUrduBooks.Com
TheUrduBooks.Com

باعث ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی۔

وہ دونوں درختوں کے نیچے سے ہوتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ لیکن یہ کام خود کو دھوکا دینے کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ درختوں کے پتے بارش کے بوجھ سے بارش سے زیادہ پانی ٹپکا رہے تھے۔ وہ دونوں لمحہ بہ لمحہ زیادہ گیلے ہو رہے تھے۔ پھر اک جگہ رک کر ضامن نے ایک کیلے کے درخت کی نیچے جھکی ہوئی شاخ کو مزید نیچے جھکا لیا تھا۔ اس نے کیلے کا ایک بڑا سا پتا توڑا تھا اور باریشہ کو دیا تھا۔

"یہ خود پر رکھ لو..... چھتری کا کام دے گا۔"

باریشہ نے بڑا سا پتا پکڑ لیا تھا۔ جبکہ بارش میں وہ بری طرح سے بھیگ تو چکی ہی تھی۔

"تم....."

"میری خیر ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا اور باریشہ اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔ وہ پھر سے اس کے آگے چلنے لگا تھا۔ کسی شہنشاہ کی طرح..... اور وہ سر پر دونوں ہاتھوں سے کیلے کا پتا رکھے ہوئے اس کی محکوم رعایا کی طرح اس کے پیچھے چل رہی تھی۔

☆☆☆

کمرے کی کھڑکی بند تھی پھر بھی باہر ہوتی بارش کا شور سنائی دے رہا تھا۔ رات وقت سے پہلے ہی گہری ہو چکی تھی۔ کمرے میں پوری طرح سے اندھیرا اتر آیا تھا۔ لیکن اسے شاید اس بات کا احساس نہیں تھا۔ بازو کو اپنے سر کے نیچے رکھے، بیڈ پر لیٹا وہ نجانے کتنی دیر سے چھت کو گھور رہا تھا۔ لیکن درحقیقت وہ چھت کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ تو کسی منظر کو سوچ رہا تھا۔

"ک..... کیا چاہتے ہو۔؟" باریشہ کا بری طرح سے گھبراتے ہوئے کہنا اسے یاد آ رہا تھا۔ اور یہ یاد ایسی تھی جو اس کے چہرے پر سنجیدگی کو ختم کرتے ہوئے مسکراہٹ بکھیرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"یہ لو....." ڈر سے کانپتی ہوئی باریشہ نے اپنا ہینڈ بیگ اس کی طرف اچھال دیا تھا۔ یاد کرتے ہوئے خیام کے چہرے پر مسکراہٹ نظر آنے لگی تھی۔

"کیا چاہتے ہو؟" لڑکی پر خوف طاری تھا۔ اس نے اگلے ہی پل اپنی کہنی اس کی گردن پر رکھتے ہوئے اسے دیوار کے ساتھ لگا دیا تھا اور اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا تھا۔ اس نے اسے خوف زدہ کرنا تھا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وہ اپنا مقصد بھولنے لگا تھا۔ باریشہ کی آنکھوں میں متوقع موت کا خوف تھا۔ لیکن اس خوف نے بھی اس کی آنکھوں میں موجود معصومیت کو مندمل نہیں ہونے دیا تھا۔ اس کے چہرے پر پانی کی بوندیں گر رہی تھیں اور خیام کا دل چاہا تھا کہ وہ اسی طرح کھڑا رہے اور بہت دنوں تک اس لڑکی کو اسی طرح اپنے سامنے دیکھتا رہے۔

"کیا مجھے مارنا چاہتے ہو۔؟" ڈر سے کانپتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔ اور یاد کرتے ہوئے خیام ایک دم سے ہی ہنسنے لگا تھا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی فلم کا منظر ہو۔ ہنستے ہوئے وہ بیڈ پر اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

"کیا ہوا ہے خیام..... آج بہت ہنس رہے ہو۔" اس کی والدہ نے کمرے کا دروازہ ذرا سا کھول کر اندر جھانکا تھا۔

"نہیں کچھ نہیں....." وہ تب بھی اپنی ہنسی پر قابو نہیں پا سکا تھا۔ شائستہ کمرے کے اندر چلی آئی تھی۔ انہوں نے لائٹ آن کر دی تھی

"کچھ تو ہے۔" وہ ذو معنی مسکرا رہی تھیں۔

"ایک جوک یاد آ گیا تھا۔" اس نے جھوٹ بولا تھا۔ شائستہ نے اپنے جوان بیٹے کی طرف ایسے دیکھا تھا

TheUrduBooks.Com
TheUrduBooks.Com

جیسے کہہ رہی ہو کہ میں سب سمجھ رہی ہوں۔
"رات کھانے میں کیا کھاؤ گے۔؟"
"جو آپ کا دل کرے بنوالیں۔"
"تمہارا دوست کہاں ہے۔؟"
"وہ کسی کام سے باہر گیا ہے۔"
"ایسا کرو کہ فون کر کے اسی سے پوچھ لو کہ وہ رات کھانے میں کیا کھائے گا۔ وہ ویسے بھی ہمارا مہمان ہے۔ ہمیں اس کی پسند سے کھانا بنوانا چاہیے۔"
"ٹھیک ہے میں پوچھ لیتا ہوں۔" خیام نے کہا تھا۔ شائستہ کمرے سے باہر چلی گئی تھی۔ خیام نے موبائل پکڑ کر اپنے دوست کو کال کی تھی۔
"ہیلو ضامن..... کہاں ہے تو.....؟"
"ابھی اس لڑکی کو اس کے گھر تک چھوڑا ہے۔"
"ویسے بہت بڑا بے غیرت ہے تو..... قسم کھانے کی کیا ضرورت تھی کہ اگلا فائر تمہارا سر اڑا دے گا۔" خیام نے کہا تو ضامن ہنسنے لگا تھا۔
"وہ کیا کہتے ہیں۔ جوش خطابت....." ضامن نے کہا تو دونوں ہنسنے لگے تھے۔
"مام پوچھ رہی ہیں کہ رات کھانے میں کیا کھائے گا۔"
"جو تیرا دل کرتا ہے بنوالے۔ میں سب ہی کچھ کھا لیتا ہوں۔"
"چائنیز کھائے گا۔"
"کیوں نہیں..... شوق سے....."
"ٹھیک ہے۔ میں مام سے کہہ دیتا ہوں۔"
"تھوڑی دیر میں پہنچتا ہوں تیری طرف....."
"بائے جانی....."
"بائے....."
فون بند ہو گیا تھا۔ ضامن نے موبائل جیب میں رکھا تھا۔ اور خیام کے گھر تک جانے کے لیے ایک ٹیکسی کو روکا تھا۔

☆☆☆

"باریشہ..... کہاں تھیں تم اتنی دیر سے.....؟" وہ اپنے کمرے میں جا رہی تھی۔ جب کومل بیگم نے اسے روکا تھا۔
"میں گھر سے باہر تھی۔"
"تم تو کافی بھیگ چکی ہو۔"
"جی..... راستے میں ہی بارش شروع ہو گئی تھی۔"
"یہ شرٹ کس کی ہے۔" کومل بیگم کی نظر شرٹ پر اب گئی تھی۔
"راستے میں کسی نے میرا پرس چھیننے کی کوشش کی۔" اس نے ادھوری بات بتائی تھی۔
"اوہ میرے خدایا..... پھر.....؟"
"ایک لڑکے نے بروقت مدد کی..... اسی نے مجھے گھر تک چھوڑا ہے۔ یہ اسی کی شرٹ ہے۔ میرا لباس بری

UUNovels.com
TheUrduBooks.Com
TheUrduBooks.Com

طرح سے گیلا ہو چکا تھا۔"

"تو تم اس لڑکے کو گھر کے اندر تو بلاتیں..... میں اس کا اچھے سے شکریہ ادا کرتی۔"

"میں نے کہا تھا لیکن اس نے منع کر دیا۔"

"ٹھیک ہے۔ تم کمرے میں جا کر فریش ہو جاؤ..... پھر بات کرتے ہیں۔"

"جی....." کہہ کر وہ اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ اس نے دروازہ بند کیا تھا اور سست چال سے چلتی ہوئی بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔ اس نے کپڑے بدلنے کا تردد نہیں کیا تھا۔ حتیٰ کہ بال بھی نہیں سکھائے تھے۔ وہ نیم گیلے کپڑوں کے ساتھ ہی اپنے بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔ بارش کے جھلملاتے ہوئے قطرے اس کی آنکھوں میں اُترے ہوئے تھے۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلنے لگی تھی۔

"یہ خود پر لپیٹ لو..... موٹی تو نہیں ہے۔ لیکن کچھ نہ کچھ فائدہ تو دے گی ہی....." ضامن نے اپنی شرٹ اُتار کر اسے دی تھی۔ منظر اس کی نظروں کے سامنے ایسے چل رہا تھا جیسے وہ کسی سینما میں بیٹھی ہو اور سامنے اسکرین پر سب چل رہا ہو۔

"میرا نام ضامن ہے۔" ضامن کا خوشبودار لہجہ کمرے میں اُتر آیا تھا۔

"میرا نام ضامن ہے۔" بازگشت ہونے لگی تھی۔

"اور مسٹر ضامن..... کیا تم مجھ سے دوبارہ بھی ملو گے یا نہیں....." اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے خود سے سوال کیا تھا۔ اور اپنے سوال کا جواب نہ ملنے پر وہ بے چین ہونے لگی تھی۔ وہ کس بہانے سے اس سے ملنے آ سکتا تھا۔ کیا شرٹ لینے کے بہانے.....؟ جب کہ وہ اسے کہہ چکا تھا کہ وہ اسے اپنے پاس رکھ لے۔ پھر وہ کیسے اسے مل سکتا تھا۔ وہ اس بڑے شہر میں اسے کہاں تلاش کر سکتی تھی۔؟ اور یہ بھی حقیقت تھی کہ جب کسی کو تلاش کرنا ہو تو حویلیاں جیسا چھوٹا شہر بھی پورا ملک بن جاتا ہے۔

"مجھے اپنی زندگی میں اس سے ملاقات کا اتفاق بار ہا چاہیے میرے اللہ....." اور اس نے شدت سے خدا کے حضور دعا کی تھی۔ اسے نہیں یاد پڑتا تھا کہ اس نے آخری بار کب دعا کی تھی۔ وہ خدا سے ہم کلام ہونے میں بہت سست اور مطلب پرست تھی۔ صرف اپنی ضرورت کے وقت وہ خدا کو یاد کیا کرتی تھی۔ جیسے اب کر رہی تھی۔

"میں کیسے ملوں گی اسے دوبارہ....." وہ اُٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگی تھی۔ بازوؤں کو اس نے سختی سے بھینچ لیا تھا۔ تب ہی اس کا ہاتھ شرٹ کی پاکٹ میں موجود کسی سخت چیز سے ٹکرایا تھا۔ اس نے پاکٹ میں ہاتھ ڈالا تھا۔ وہ ایک کارڈ تھا۔ وزٹنگ کارڈ.....

"ضامن عباس..... سیون سٹار میڈیا کمپنی..... فون نمبر....."

اور آج پہلی بار باریشہ کا دل کیا تھا کہ وہ شکر کے طور پر خدا کو سجدہ کرے۔

☆☆☆

شام کی متواتر بارش نے اسلام آباد کو وقت سے پہلے ہی سلا دیا تھا۔ سماں کچھ خاموش سا ہو گیا تھا۔ ایسے جیسے سارا شہر ہی تھک کر جلدی سو گیا ہو۔ بارش کے بعد کی رات کا مزا لینے کو باہر کوئی موجود نہیں تھا۔ فضا میں ان مینڈکوں کی آواز گونج رہی تھی جو بارش کے پانی میں مستیاں کر رہے تھے۔

رات کا کھانے کے بعد ضامن جلدی سو گیا تھا۔ لیکن خیام کی آنکھوں سے نیند کوسوں دُور تھی۔ ایک انجان چہرہ اس کی نظروں میں سما چکا تھا۔ ایک ڈرا سہما چہرہ..... موت کے خوف سے لرزہ، معصومیت میں لپٹا ہوا۔ اور یہ چہرہ اسے بھول ہی تو نہیں پا رہا تھا۔ وہ جتنا بھولنے کی کوشش کرتا چہرہ مزید توانائی سے اس کے ذہن میں نقش ہوتا چلا جاتا۔ شاید یہ اس کا آرٹسٹک مائنڈ تھا اس لیے..... کسی بھی منظر کو دیکھ لینے کے بعد اس کا ذہن اس منظر کو تب

TheUrduBooks.Com
TheUrduBooks.Com

تک نہیں بھولتا تھا۔ جب تک وہ اسے پوری طرح سے کینوس پر نہیں اتار لیتا تھا۔ تو کیا اب یہ چہرہ جو اسے سونے نہیں دے رہا تھا یہ بھی کینوس پر اترنے کے بعد اس کے ذہن سے محو ہونے والا تھا۔ اور کون جانے کے کینوس پر اترنے کے بعد وہ محو ہوتا تھا یا مزید پختہ ہوتا تھا۔

خیام بیڈ پر سے اترنا چاہتا تھا۔ لیکن ساتھ میں لیٹے ہوئے ضامن کا بازو اس کے سینے پر تھا۔ جو اسے وہاں چپکائے ہوئے تھا۔ چار و ناچار اس نے سونے کی کوشش کی تھی لیکن نیند آنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ آج کی رات کیسے گزرے گی۔ نیند اور بیداری سے جاری جنگ میں ہار مانتے ہوئے اس نے بہت احتیاط سے اُٹھنے کی کوشش کی تھی۔ ضامن کا بازو اپنے سینے پر سے ہٹا کر سائیڈ پر کیا تھا۔ سو رہے ضامن نے نیند سے جاگنے والی جنبش تو کی تھی لیکن وہ جاگا نہیں تھا۔ خیام اسے بچپن سے جانتا تھا۔ ضامن کی نیند کافی گہری ہوتی تھی۔ وہ بے سدھ ہو کر سویا کرتا تھا۔

خیام بیڈ سے نیچے اُتر آیا تھا۔ کمرے کا دروازہ اس نے آہستگی سے کھولا تھا اور پھر باہر نکل کر آہستگی سے ہی بند کیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ضامن کے بچپن کا ریکارڈ خراب ہو جائے اور آج وہ بے سدھ نیند سے جاگ جائے۔

گھر کی تاریک راہداری کو پار کر کے وہ اپنے اسٹوڈیو میں گیا تھا۔ جہاں اس کے بہت سے مکمل اور نامکمل پورٹریٹ پڑے ہوئے تھے۔ اس نے ایک نامکمل پورٹریٹ کو اُتار کر سائیڈ پر رکھا تھا اور اسٹینڈ پر نیا کینوس رکھ دیا تھا۔ آج سے پہلے اس نے بس قدرتی مناظر ہی بنائے تھے۔ اس لیے وہ جانتا تھا کہ آج رات اسے مشکل پیش آئے گی۔ آج وہ پہلی بار کسی لڑکی کا چہرہ بنانے جا رہا تھا۔ باریشہ کا چہرہ.....

☆☆☆

ملازمہ سے کہہ کر اس نے ضامن کی شرٹ کو ڈرائی کلین ہونے کے لیے بھجوا دیا تھا۔ اور ملازمہ کو تاکید کی تھی کہ وہ شرٹ کو شام سے پہلے واپس منگوا لے۔ اور ساتھ میں یہ ہدایت بھی کی تھی کہ وہ اس کے بارے میں کسی کو نہ بتائے۔ ناشتا اس نے جلدی کر لیا تھا۔ اور پھر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ نتاشہ اس سے بات کرنا چاہتی تھی۔ مستقبل کو لے کر کچھ پلان کرنا چاہتی تھی لیکن اس نے یہ کہہ کر "کل بارش میں بھیگنے کی وجہ سے میری طبیعت کچھ خراب ہے۔" نتاشہ کو کمرے سے چلتا کیا تھا۔ آج وہ تنہا رہنا چاہتی تھی اور سوچنا چاہتی تھی کہ اسے کیا کرنا ہے۔

اب اپنے کمرے میں بیٹھ کر ضامن کا وزٹنگ کارڈ ہاتھ میں پکڑے وہ سوچ رہی تھی کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ یہ تو طے تھا کہ اس نے ضامن کو کال کرنی ہے۔ لیکن کیا کہنا ہے یہ طے نہیں ہو پا رہا تھا۔ اور یہ بھی نہیں کہ اسے کس طرح بات کرنی چاہیے۔ سنجیدگی سے، ہنس کر، شوخی سے، رعب سے، یا بس سرسری انداز میں..... اسے کس طرح بات کرنی چاہیے کہ جس سے ضامن کو احساس ہی نہ ہو کہ وہ رات بھر اس کے بارے میں سوچتی رہی ہے۔ اور پھر سے اس سے ملنے کے لیے بہت بے چین ہے۔ ذہن ہی ذہن میں وہ لفظوں کا جوڑ توڑ کرنے لگی تھی اور پھر اس نے موبائل پکڑا تھا اور ضامن کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ اسے نمبر ڈائل کرنے کے لیے کارڈ کو دیکھنے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ وہ نمبر اسے رات ہی رات میں ازبر ہو چکا تھا۔

ایف سیون ایریا سے دُور بہت دور..... بہارہ کہو کے ایک عالیشان گھر کے آرٹسٹک کمرے میں ضامن کھڑا کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ باہر دن پوری آب و تاب سے نکل آیا تھا۔ کل کی تیز بارش نے موسم کا سارا گرد و غبار ختم کر دیا تھا۔ وہ نہا کر فریش ہو چکا تھا۔ لیکن اس کا دوست ابھی تک سو رہا تھا۔ کھڑکی کے باہر سے نظر ہٹا کر ضامن نے خیام کو دیکھا تھا۔ جو کروٹ بدلے بے خبر سو رہا تھا۔ ضامن کو کچھ حیرت ہوئی تھی۔ خیام تو صبح اس سے بھی پہلے اُٹھ جانے کا عادی تھا۔ پھر یہ آج کیوں ایسے سو رہا تھا جیسے رات بھر جاگ کر کوئی کام

TheUrduBooks.Com

کرتا رہا ہو۔ اسے ناشتے کی طلب ہو رہی تھی لیکن وہ اپنے دوست کے بنا ناشتا نہیں کرنا چاہتا تھا۔
وہ انہی سوچوں میں تھا جب اس کے موبائل فون کی بیل بجی تھی۔ جلدی سے اپنا موبائل پکڑ کر اس نے سائلنٹ کیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ضامن نیند سے جاگے۔ پھر اس نے موبائل اسکرین پر آئے نمبر کو دیکھا تھا۔ نمبر انجان تھا۔ اور وہ جانتا تھا کہ یہ انجان نمبر کس کا ہوگا۔ ایک مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی تھی۔ کمرے سے باہر نکل کر اس نے کال ریسیو کی تھی۔

"ہیلو....."

"ضامن.....؟"

"جی..... آپ کون.....؟" جبکہ یہ سوال پوچھنے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ وہ باریشہ کی آواز پہچان چکا تھا۔

"میں باریشہ ہوں۔ کل جس کو تم نے گھر تک چھوڑا تھا۔"

"میرا نمبر کیسے ملا تمہیں.....؟" وہ انجان بنتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ جیسے وہ جانتا ہی نہ ہو کہ اپنا وزٹنگ کارڈ اس نے جان بوجھ کر اپنی شرٹ کی جیب میں چھوڑا تھا۔

"تمہاری شرٹ کی پاکٹ میں تمہارا وزٹنگ کارڈ تھا۔"

"اوہ..... اچھا....."

"تمہیں تمہاری شرٹ واپس کرنا تھی۔"

"میں کل بول تو چکا تھا کہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔" ضامن نے کہا تھا۔ باریشہ کو سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ آگے سے کیا کہے۔

"ویل..... اگر واپس کرنا ہی چاہتی ہو تو پنالٹی کے ساتھ واپس کرنا ہوگی۔" وہ کچھ شوخی سے بولا تھا۔

"کیسی پنالٹی.....؟"

"مجھے کافی پلانا ہوگی۔" اس نے کہا تھا۔ اور ایسی خوب صورت پنالٹی پر باریشہ تو نہال ہی ہوگئی۔

"شوق سے....." اس نے فوراً سے رضامندی دے دی تھی۔

"تو پھر کہاں سے پلاؤ گی کافی.....؟"

"جہاں تم کہو۔"

"میں اسلام آباد کو زیادہ نہیں جانتا ہوں۔ میں یہاں نیا ہوں۔"

"ویسے میں بھی اس شہر کی نہیں ہو۔ میں حویلیاں سے ہوں۔" باریشہ نے سرسری انداز میں کہا تھا۔ اور حویلیاں کے نام پر ضامن دانت پیس کر رہ گیا تھا۔

"کیا تم حویلیاں کو جانتے ہو؟" اس نے بات برائے بات پوچھ لیا تھا۔

"نہیں..... بالکل نہیں..... میں یہ نام پہلی بار سن رہا ہوں۔ یہ کہاں ہے؟" اس نے روانی سے جھوٹ بولا تھا۔

"اسلام آباد سے ایبٹ آباد کی طرف جائیں تو ایبٹ آباد سے پہلے حویلیاں آتا ہے۔"

"اوہ..... آئی سی....."

"ویل، میں اب اسلام آباد میں رہتی ہوں اور یہاں کی بہت سی جگہوں کو جانتی ہوں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ دیکھتے ہیں کہ آپ کتنا جان چکی ہیں اس شہر کو مس باریشہ....." ضامن نے لہجہ نارمل رکھتے ہوئے کہا تھا۔ یہ جملہ الوداعی تھا۔ جبکہ باریشہ کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ضامن سے باتیں کرتی رہے اور بس کرتی ہی رہے۔

TheUrduBooks.Com
TheUrduBooks.Com
UrduNovels.com

☆☆☆

۱۹۷۴ء

تعبیر کی موت کی خبر کے بعد سب ہی کو سنبھلنے میں کافی وقت لگ گیا تھا۔ خاص طور پر زہرہ پھوپھو کو..... وہ بیمار رہنے لگی تھیں۔ ہر وقت ان کا جسم تپتا رہتا تھا اور وہ دیوانوں کی طرح تعبیر کو پکارتی رہتی تھیں۔ ایسے جیسے خواب و خیال میں بول رہی ہوں۔

"وہ جہاں جا چکی ہے اسے یاد کرنے کے بجائے بہتر ہے کہ تم اسے خدا کا کلام پڑھ کر بخشو....." شکیلہ اور تہمینہ پھوپھو انہیں سمجھایا کرتی تھیں۔ لیکن اس ماں کو کیسے قرار آنے والا تھا جس کی جوان بیٹی شادی کے کچھ ہی عرصے کے بعد مر گئی ہو۔ بیٹی کی شادیوں کے بعد تو مائیں ایک ایک دن گنتی ہیں کہ کب ان کی بیٹی انہیں اپنے ماں بننے کی خوش خبری سنائے اور یہاں انہیں ایسی انہونی خبر سننے کو ملی تھی جس پر انہیں ابھی بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔ نجانے کیوں انہیں لگتا تھا کہ تعبیر کسی دن زندگی سلامت ان کے سامنے آ کھڑی ہوگی اور اپنی غم زدہ ماں کو گلے سے لگا لے گی۔ چونکہ زہرہ پھوپھو نے اس کی میت نہیں دیکھی تھی اس لیے انہیں تعبیر کی موت پر یقین بھی نہیں آ رہا تھا۔

ایسی ہی بے یقینی انہیں تب لاحق ہوئی تھی جب بٹوارے کے ہنگامے میں ان کے شوہر کو قتل کیا گیا تھا۔ انہیں یقین ہی تو نہ آتا تھا کہ جن لوگوں کے ساتھ وہ برسوں رہی ہیں انہی کے جھگڑوں میں ان کا شوہر قتل کر دیا گیا ہے۔ اور وہ اب بیوہ ہو چکی ہیں۔ تب بھی وہ دن رات اپنے شوہر کو پکارا کرتی تھیں۔ لیکن شوہر واپس نہیں آیا تھا جیسے اب تعبیر بھی واپس آنے والی نہیں تھی۔ اس حقیقت کو وہ تسلیم نہیں کر پا رہی تھیں اور روز اس سے نبرد آزما ہونے کی کوششیں کرتی تھیں۔ یہ ہی وجہ تھی کہ ان کی طبیعت دن بدن گرنے لگی تھی۔

باقی لڑکیاں بھی اُداس اُداس تھیں۔ اس حویلی میں ان کی ہوش میں یہ پہلی موت تھی۔ اور کتنی اُدھوری موت تھی۔ نہ تو جنازہ وہاں سے اٹھایا گیا تھا اور نہ ہی میت کو دیکھ کر انہیں قرار آیا تھا۔ وہ مر چکی تعبیر کا سرد چہرہ دیکھ لیتیں تو شاید انہیں کچھ راحت نصیب ہوتی۔ اب تو ایسے لگ رہا تھا جیسے قدرت ان کے ساتھ کوئی کھیل کھیل رہی ہو۔ تعبیر جو ہر وقت میک اپ سیکھنے میں لگی رہتی تھی۔ ساری کزنوں کا خاص دنوں کا میک اپ وہی کرتی تھی۔ ایسی زندہ دل لڑکی کی جان فرشتہ کیسے قبض کر سکتا ہے۔ دُکھ بھری سوچوں میں گم وہ کھجور کی گٹھلیوں پر تعبیر کے لیے پڑھ پڑھ کر بخشتی رہتی تھیں۔ وہ سب نہیں جانتی تھیں کہ جسے وہ مرا ہوا سمجھ رہی ہیں وہ زندہ ہے۔ اور اپنی قسمت کو رو رہی ہے۔

اُداسی کے ان ہی دنوں میں چاند نے سب کو عجیب خبر سنائی تھی۔ بستامی اور کومل کی شادی کی خبر..... جس پر پہلے تو سب حیران ہوئے تھے اور پھر جلد ہی صورتِ حال کو قبول کر لیا گیا تھا۔ کسی کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اور اعتراض بھی تب کرتے جب ان کے اعتراض کی کوئی اہمیت ہوتی..... سب تو پہلے سے ہی یہ چاہتے تھے کہ بستامی اور رحبانی کے گھر بس جائیں۔ بے شک کومل اور ایمن کے ساتھ ہی.....

حویلی میں ایک بار پھر سے شادی کی تیاریاں ہونے لگی تھیں۔ یہ تیاری اگرچہ بہت زیادہ پرجوش نہیں تھی۔ لیکن جو حالات حویلی پر ہو گزرے تھے اس کے بعد جیسے سب کو ہنسنے کا بہانہ مل گیا تھا۔ سب ہنسی خوشی شادی کی تیاریاں کرنے لگے تھے۔ چاند اپنی زیرِ نگرانی کومل کا لباس تیار کروانے لگی تھی۔ اس نے خوب صورت رنگ اور چمک دار نگینوں کا انتخاب کیا تھا۔ ڈیزائن بھی انہوں نے خود منتخب کیا تھا۔ اور کاریگروں سے کہا تھا کہ وہ جلد سے جلد اس لباس کو مکمل کریں۔ باقی سب بھی اپنے نئے پرانے جوڑے نکال کر دیکھنے لگے تھے کہ شادی کے دنوں میں کس نے کیا پہننا ہے۔ چاند نے اپنے بہت سے سونے کے زیورات کومل کو دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ جس

TheUrduBooks.Com
TheUrduBooks.Com

پر تہمینہ پھوپھو نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ ان زیورات کو اپنے پاس رکھے۔

"وقت کا کچھ پتا نہیں ہوتا چاند..... کب برا وقت آجائے۔"

لیکن چاند پھر بھی ان زیورات کو کومل کو دینے کے فیصلے پر قائم رہی تھی۔

"میں بہت کچھ تو صندل کو دے چکی ہوں۔ اب باقی جو میرے پاس موجود ہیں اس کی مجھے ضرورت نہیں..... میں نے صرف چند ایک چیزیں اپنے پاس رکھی ہیں جو التمش نے مجھے دی تھیں۔"

"ٹھیک ہے۔ جیسے تمہاری مرضی....." تہمینہ پھوپھو نے کہا تھا۔ حویلی کا ماحول کچھ عرصے سے ایسا ہو چکا تھا کہ کوئی کسی کے کام میں مداخلت نہیں کر رہا تھا۔ ایک حویلی میں رہتے ہوئے سب اپنی اپنی ذات کے کمروں میں بند تھے۔

روشن بیگم بھی رسم دنیا نبھانے کو حویلی چلی آئی تھیں۔ چونکہ بسامی کا سگا قریبی رشتے دار صرف چاند ہی تھی اس لیے ان کی بیٹھک اسی کے ساتھ تھی۔ کسی اور نے ان دونوں کی بات چیت میں بیٹھنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ تہمینہ اور زہرہ پھوپھو تو ویسے بھی اب بسامی کو کم کم ہی منہ لگایا کرتی تھیں اور رہی شکیلہ پھوپھو..... وہ اپنی دونوں بہنوں کو دیکھ کر ہی سبق لے چکی تھیں۔ روشن بیگم کی میزبانی کرنے کو صرف چاند ہی کمرے میں موجود تھی۔

"ویسے تو لڑکے والے جاتے ہیں لڑکی والوں کے گھر..... لیکن مجھے احساس تھا کہ تم اس بدنام گلی میں قدم نہیں رکھو گی۔ اس لیے میں خود تمہارے پاس چلی آئی ہوں۔" اپنی میک اپ زدہ آنکھوں سے چاند کو گھورتے ہوئے روشن بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"زندگی اس دوراہے پر لے آئی ہے کہ بھائی کی خوشی کی خاطر میں مینا گلی بھی جا سکتی ہوں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں....." چاند نے نرم لہجے میں کہا تھا۔

"اس رشتے کا افسوس تمہارے لہجے سے عیاں ہے چاند..... لگتا ہے کہ اس شادی میں تمہاری مرضی شامل نہیں ہے۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔ اور اگر ایسی بات ہے بھی تو بے معنی ہے۔"

"یہ تو بسامی ہے جس نے کومل سے شادی کی ضد پکڑ لی ہے۔ اور بڑھاپے میں میرا سہارا چھین رہا ہے۔ ورنہ میرے نزدیک اس شادی کی ضرورت نہیں تھی۔ تعلق تو ویسے بھی چل رہا تھا۔" روشن بیگم نے سارا ملبہ بسامی پر ڈال دیا تھا۔

"بہتر ہے تعلق کو کوئی ایسا نام مل جائے جو معاشرے میں قابل قبول ہو۔"

"میں کہنے آئی تھی کہ میرے معاشی حالات بہت نازک جا رہے ہیں۔ میں کومل کو جہیز دینے سے قاصر ہوں۔" روشن بیگم اصل بات پر آئی تھیں۔ وہ چڑی جائے دمڑی نہ جائے پر عمل کرنے والی خاتون تھیں۔

"جہیز کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ کا دیا ہمارے پاس بہت کچھ ہے۔ کمرے بھرے ہوئے ہیں۔"

"تم تو جانتی ہو کہ ہم میں شادیاں کرنے کا رواج نہیں ہوتا۔ اس لیے میں نے کومل کے لیے کچھ بھی جوڑا ہوا نہیں تھا۔ میں دو جوڑے میں لڑکی کو رخصت کروں گی۔"

"آپ بتا دیں وہ کیسے کپڑے پہننا پسند کرتی ہے۔ میں تیار کروا دوں گی۔"

"اسے شوخ رنگ پسند ہیں۔ جن پر نفیس کام کیا گیا ہو۔ سونے کے زیورات اسے بہت بھاتے ہیں۔ اور میں چاہتی ہوں کہ تم اس کا کمرا بھی عالیشان تیار کرواؤ۔"

"اپنے طور پر سب بہتر کرنے کی کوشش کروں گی۔ آپ فکر مت کریں۔ کومل کو یہاں کوئی تنگی نہیں ہوگی۔"

"امید کرتی ہوں کہ کومل کے آجانے سے حویلی میں دو مالکوں والی کیفیت پیدا نہیں ہوگی۔ تم کومل کے

TheUrduBooks.Com
TheUrduBooks.Com

مالکانہ حقوق تسلیم کرلوگی۔ تم سمجھدار ہو۔ اتنا تو سمجھتی ہی ہوگی کہ مرحوم باپ کا چھوڑا ہوا کاروبار بھائی اور بھابھی کا ہوتا ہے۔ بیٹی کا نہیں....."

روشن بیگم نے سرسری انداز میں جو بات کی تھی وہ چاند کو اندر تک تپا گئی تھی۔ لیکن کی مجبوری تھی کہ انہیں تحمل کا مظاہرہ کرنا تھا۔

"حیرت ہے۔ آپ کبھی خاندان میں نہیں رہیں..... پھر بھی خاندانی روایات جانتی ہیں....." چاند نے چوٹ کی تھی۔ روشن بیگم پہلو بدل کر رہ گئی تھیں۔ "خیر فکر مت کریں۔ بستامی کی بیوی ہونے کی حیثیت سے کومل ہی اس گھر کی مالکن ہوگی۔ میں بہت جلد خود کو محدود کرلوں گی۔"

"تم ایک سمجھدار خاتون ہو چاند..... مجھے اُمید تھی کہ تم سے بات چیت میری اُلجھن کو ختم کردے گی۔"

چاند جیسے زبردستی مسکرائی تھی۔

"ایک اُلجھن اور دور کردوگی تو احسان سمجھوں گی۔"

"جی..... کہیے۔"

"ایمن..... میری بیٹی ہے۔ نام سے تو تم واقف ہی ہوگی۔ وہ رحبانی کے علاوہ کسی اور کو دیکھنا بھی نہیں چاہتی ہے۔ اگر تم رحبانی کو منالو کہ وہ ایمن سے شادی کرلے تو میں سکون سے مرسکوں گی۔"

"میں..... میں کیسے بات کرسکتی ہوں رحبانی سے....."

"سنا ہے وہ تمہاری ہر بات مانتا تھا....." روشن بیگم نے ذومعنی انداز میں کہا تھا۔ "کب تک خود کے ساتھ باندھ کر رکھوگی اسے چاند..... اب تو اسے آزاد کردو۔" روشن بیگم نے چبھن زدہ بات کی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔ آپ کا اشارہ جس طرف ہے وہ سب ماضی تھا۔"

"کیا تم میری درخواست پر بھی اس سے بات نہیں کرسکتی ہو۔"

"پھر میری بھی ایک التجاء ہے۔" چاند نے کہا تھا تو روشن بیگم نے سوالیہ انداز میں انہیں دیکھا تھا۔

"میرا باپ بہت دین دار آدمی تھا۔ میں نہیں چاہتی کہ قبر میں چلے جانے کے باوجود اس کا محراب داغ دار ہو۔"

"تم کیا کہنا چاہتی ہو چاند....."

"جب جب کومل سے ملنے کو دل کرے آپ اسے اپنے پاس بلوا سکتی ہیں۔ لیکن آپ خود یہاں مت آیے گا۔ اور نہ ہی مینا گلی سے کوئی اور یہاں آئے۔ یہ میری درخواست ہے آپ سے..... میں دین حویلی کو اس گلی سے جڑتا ہوا نہیں دیکھ سکوں گی۔"

"تم نے پہلی بار کچھ کہا ہے تو ماننا پڑے گا۔" روشن بیگم نے مسکراتے ہوئے رضامندی دے دی تھی۔ ان کا کام دور بیٹھے ہوسکتا تھا تو کیا ضرورت تھی انہیں یہاں آنے کی۔ وہ ویسے بھی ایسی جگہوں پر جانا پسند نہیں کرتی تھیں جہاں کے مالک ان کی اداؤں کے ماتحت نہ ہوں۔ "میں یہاں دوبارہ نہیں آؤں گی۔ اور نہ ہی میری طرف سے کوئی اور آئے گا۔"

"بے حد شکریہ....."

"اب چلتی ہوں۔" روشن بیگم کھڑی ہوئی تھیں۔ چاند بھی اُٹھی تھی۔ روشن بیگم دروازے کی طرف بڑھی تھیں۔ پھر کچھ خیال آنے پر رکی تھیں۔ انہوں نے پلٹ کر چاند کو دیکھا تھا۔

"ویسے..... صندل کیسی ہے۔؟" انہوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔ اور چاند تو جیسے سانس لینا ہی بھول گئی تھی۔

TheUrduBooks.Com
TheUrduBooks.Com

"م.....م.....میں.....مجھے کیا معلوم....."

"سچ میں.....؟ تمہیں نہیں معلوم.....؟" وہ مسکرائی تھیں۔ "بہت مذاق کرتی ہو تم....." اور قہقہہ سا لگا کر کمرے سے باہر چلی گئی تھیں۔ چاند امی دم سادھے کھڑے انہیں جاتا ہوا دیکھتی رہی تھی۔

☆☆☆

بستامی کی شادی کسی حد تک سادگی سے ہوئی تھی۔ کیونکہ بستامی کسی بات میں زیادہ دلچسپی نہیں لے رہا تھا۔ اسے جیسے شادی کا کوئی شوق ہی نہیں تھا۔ وہ شادی ایسے ہی کر رہا تھا جیسے کوئی کاروباری معاہدہ کر رہا ہو۔ شادی کو لے کر اس کے دل میں کوئی پرجوش نہیں تھا۔ اس نے چاند سے ایک بار بھی کوئل کی تیاریوں کے حوالے سے بات نہیں کی تھی۔ اور چاند جس بھی طرح کمرا تیار کروا رہی تھی اسے اس سے بھی کوئی غرض نہیں تھی۔ پھر بھی چاند اپنے طور پر ہر کام بہترین کرنے کی کوششوں میں لگی ہوئی تھی۔

لڑکیوں کے اصرار پر گھر پر ہی چھوٹی سی مہندی کی رسم کر لی گئی تھی۔ جس میں حاجی بوا نے دل و جان سے ڈھولکی بجائی تھی۔ آج سے پہلے جو بھی شادیاں ہوئی تھیں وہ سب عجیب ماحول میں ہوئی تھیں۔ حاجی بوا کے اندر کا ہنر بستامی کی شادی پر نکل کر آیا تھا۔ انہوں نے اتنے پرانے پرانے گانے گائے تھے جن کے بول سن کر لڑکیاں لوٹ پوٹ ہو ہو گئی تھیں۔

اگلے دن بارات تھی۔ جو کہ حویلی کے مکینوں کے علاوہ مزید چند ایک افراد پر مشتمل تھی۔ روشن بیگم نے مینا گلی سے کافی فاصلے پر ایک گھر کو عارضی طور پر لے لیا تھا۔ بارات کا انتظام وہاں ہی کیا گیا تھا۔ کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ چاند بارات کو مینا گلی میں لانے پر دل سے خوش نہیں ہوگی۔ پھر اس شادی پر چاند کو خوش کر دینے کا مطلب تھا ایمن کے لیے دروازے کھولنا۔ اور وہ کوئل کے بعد اب چاہتی تھیں کہ ایمن بھی جلد سے جلد رحبانی کے ساتھ بیاہ دی جائے۔

نکاح کے بعد کھانا کھایا گیا تھا اور پھر بجی دھجی کوئل کو لے کر سب واپس حویلی پہنچے تھے۔ چاند نے خوش دلی سے کوئل کی رسمیں کی تھیں۔ لڑکیاں بھی ہنسی ٹھٹھول کرنے لگی تھیں۔ رات کا پہلا پہر تو اسی میں بیت گیا تھا۔ پھر جب دروازے سے باہر بستامی نے دستک دی تو چاند نے لڑکیوں کو وہاں سے جانے کو کہا تھا اور خود وہ کمرے کے دروازے کے آگے آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"لاؤ.....میرا نیگ دو بستامی....." اس نے اپنا ہاتھ آگے کیا تھا۔

"کس بات کا.....؟" بستامی واقعی ہی میں انجان تھا۔

"رسم ہوتی ہے۔ دیکھ نہیں رہے میں تمہارا راستہ روکے کھڑی ہوں۔"

"اوہ اچھا....." بستامی نے جیب میں ہاتھ ڈالا تھا اور بہت سے پیسے نکالے تھے۔

"پیسے نہیں چاہییں۔"

"تو پھر کیا چاہیے؟"

"وعدہ چاہیے۔"

"کیسا وعدہ.....؟"

"کہ جب جو مانگوں گی دو گے۔"

بستامی چند لمحے چاند کو دیکھتا رہا تھا۔ چاند نے آج عجیب انداز اپنایا ہوا تھا۔ مدتیں ہوئی وہ اس طرح کے لاڈ کرنے کی عادی نہیں رہی تھی۔ بستامی بھی آج الگ موڈ میں تھا۔ پھر چاند نے پہلی بار کچھ مانگا تھا۔ اسے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔

TheUrduBooks.Com

"ٹھیک ہے۔ وعدہ کرتا ہوں۔ جب جو مانگوں گی دوں گا۔"
"وعدے کی یاد کے طور پر اپنی انگوٹھی اتار کر دو۔"
بستامی نے چپ چاپ انگوٹھی اتار کر دے دی تھی۔
"اب تم اندر جا سکتے ہو۔" چاند دروازے کے آگے سے پرے ہو گئی تھی۔ بستامی نے کمرے میں جا کر دروازہ بند کر لیا تھا۔ چاند انگوٹھی پکڑے خوش تھی۔ اس وعدے کے بدلے وہ صندل کو واپس اس حویلی میں لانا چاہتی تھی۔ اگر اس نے آج موقع شناسی کا فائدہ اٹھا لیا تھا کچھ برا نہیں کیا تھا سچے سے سچا انسان بھی اپنے مطلب کے لیے مطلب پرست بن ہی جاتا ہے۔
"اب تم بہت جلد اس حویلی میں واپس آ جاؤ گی میری جان....." مستقبل کو سوچے ہوئے چاند خوش تھی۔

☆☆☆

صندل کو چھٹا مہینہ لگ گیا تو میرزاد نے اس کے لیے ایک ملازمہ کا انتظام کر دیا۔ وہ اس کے معاملے میں بہت محتاط ہو چکا تھا۔ چونکہ گھر میں ایسے وقت میں کوئی بڑا موجود نہیں تھا اس لیے وہ صندل کا خیال ایسے رکھ رہا تھا جیسے اگر چاند یہاں ہوتی تو رکھتی۔
"اب تم گھر کا کوئی کام مت کرنا۔" اس نے پیار سے کہا تھا۔
"میں پہلے بھی کوئی کام نہیں کرتی تھی۔ بس تھوڑے بہت....."
"وہ تھوڑے بہت بھی نہ کیا کرو۔ ملازمہ سب دیکھ لے گی۔"
"تو پھر میں سارا دن کیا کروں گی۔؟" وہ مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔
"آرام اور مجھ سے پیار....." اس نے شوخی سے اس کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ صندل شرما گئی۔
"جو کھانے کو دل کرے۔ مجھے بتا دینا..... ہو سکتا ہے کہ کل یا پرسوں میں شہر جاؤں۔"
"چاندامی نے کچھ چیزیں بنا کر بھیجی ہیں۔ وہ بہت ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ وہ مزید بھی بھیج دیں گی۔"
"کیا تم نے چاندامی سے چیزیں بنا کر بھیجنے کو کہا تھا۔"
"ہاں..... ویسے میں نہ بھی کہتی تو انہوں نے خود سے ہی بھیج دینا تھیں۔"
"کہیں حویلی میں کسی کو شک نہ ہو جائے۔"
"بالکل نہیں ہوگا۔ چاندامی نے صرف حاجی بوا کو بتایا ہوا ہے۔ حاجی بوا ہی ارشادی بابا کے پاس آتی جاتی ہیں۔ اور ارشادی بابا ہم تک خط اور چیزیں بھجوا دیتے ہیں۔ نہ تو حاجی بوا کسی کو کچھ بتائیں گی اور نہ ہی ارشادی بابا....."
"ٹھیک ہے۔ جو تمہیں بہتر لگے۔" میرزاد کہہ کر چپ ہو گیا تھا۔ صندل نے اس کی خاموشی کو محسوس کیا تھا۔ وہ کافی دنوں سے میرزاد کی چپ کو دیکھ رہی تھی۔ شاید اس کی خاموشی کی وجہ اس کی تنہائی تھی۔ رشتوں سے تنہائی.....
"میر..... ایک بات کہوں۔"
"کہو....."
"تم زویا آپی سے بات کرنا چاہو تو کر سکتے ہو۔ میں بھی تو چاندامی سے رابطے میں ہوں۔"
"چاندامی تم سے ناراض نہیں ہیں۔ لیکن زویا آپی مجھ سے سخت ناراض ہوں گی۔"
"تو تم انہیں جا کر منا لو..... معافی مانگ لو ان سے..... وہ تم سے پیار کرتی ہیں۔ تمہیں یاد کرتی ہوں گی۔"
"پتا نہیں یاد کرتی ہوں گی یا بددعائیں دیتی ہوں گی۔"

TheUrduBooks.Com
TheUrduBooks.Com

"ایسے مت کہو..... ایک بہن بھائی کو بددعا نہیں دے سکتی ہے۔"
"میں نے ان کے ساتھ برا بھی تو بہت کیا ہے۔"
"تم اتنے دنوں سے ان سے دور بھی تو ہو۔ تمہاری جدائی میں وہ تمہاری غلطی فراموش کر چکے ہوں گے۔"
"میرے ذہن میں ایک آئیڈیا ہے۔ جو شاید کارآمد ثابت ہو جائے۔"
"وہ کیا ہے۔"
"ہم بچے کی ولادت کے بعد کراچی جائیں گے۔ ہم تینوں..... مجھے تمہارے ساتھ اور بچے کے ساتھ دیکھ کر زویا آپی یقیناً نرم پڑ جائیں گی اور زوہیب بھائی بھی..... ہمارے بچے کو دیکھ کر زویا آپی اسے گود میں لیے بنا نہیں رہ سکیں گی۔"
"کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو میر..... بچے کو دل کر سب کے دل ہی پگھل جائیں گے۔"
"اسی لیے میں بچے کی ولادت کا انتظار کر رہا ہوں۔"
"پھر یہ انتظار ہنسی خوشی کاٹو..... میں روز رات میں دعا کروں گی کہ زندگی ہم پر اپنی آسانی کرے۔ ہمارے ناراض رشتے داروں کے دلوں میں ہمارے لیے نرمی پیدا کرے۔"
"آمین....." اداسی میں مسکراتے ہوئے میرزاد نے کہا تھا۔

☆☆☆

رات میں رینی بول رہی تھی۔ پہاڑی علاقوں میں تو ویسے بھی رینی کی آواز بہت واضح اور دور تک سنائی دیتی ہے۔ انسان کو رات میں بھی تنہا ہونے کا احساس نہیں ہوتا۔ اور حویلیاں والوں کو تو ویسے بھی تنہا ہونے کا احساس نہیں ہو سکتا تھا۔ سالوں سے دین حویلی سے سنکھ کی آواز ان کی نیندیں خراب کیا کرتی تھی۔ نجانے رحبانی کو رات میں نیند کیوں نہیں آتی تھی۔ وہ تو دن میں بھی کم ہی سوتا ہوا نظر آتا تھا۔ رات میں جاگنے کی عادت اس نے کیسے اپنائی تھی۔

UrduNovels.com

رحبانی کے کمرے کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے چاند رک گئی تھی۔ سنکھ کی دُکھ بھری آواز نے اس کے قدم روک دیے تھے۔ بہت دنوں کے بعد اسے احساس ہوا تھا کہ رحبانی کی بربادی میں اس کا کتنا بڑا ہاتھ رہا ہے۔ بہت دنوں سے وہ یہ ہی سوچ رہی تھی کہ اس بربادی کے اثرات کو اب اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد کیسے ختم کیا جا سکتا ہے۔

چاند رحبانی کے کمرے میں آئی تھی۔ پہلے اس نے دستک دی تھی پھر رحبان کا نام پکارتے ہوئے دروازہ کھولا تھا۔ لیکن کمرا خالی تھا۔ رحبان وہاں نہیں تھا۔ وہ یقیناً چھت پر تھا۔ لیکن اس کی گرم چادر کرسی پر ہی پڑی ہوئی تھی۔ چاند نے چادر اٹھالی تھی۔ رات میں اب خنکی بڑھنے لگی تھی۔ رحبانی بنا چادر لیے ہی چھت پر چلا گیا تھا۔ کچھ فکر ہی نہیں رہتی تھی اسے اپنی.....

چادر پکڑے چاند چھت پر آئی تھی۔ آگے سے متوقع منظر دیکھنے کو ملا تھا۔ چھت کی چھوٹی دیوار پر وہ ہلکے کپڑے پہنے اندھیرے میں لپٹے دُور کے پہاڑوں کو دیکھ رہا تھا۔ چاند نے پیچھے سے جا کر چادر اس کے کندھوں پر رکھی تھی۔ رحبانی چونکا تھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ پیچھے چاند کھڑی تھی۔

"کیسے ہو رحبان....." چاند نے پوچھا تھا۔ نجانے یہ سادہ سا سوال بھی ایسے کیوں ادا ہوا تھا کہ جیسے کوئی مجرم اپنے کسی جرم کی معافی مانگ رہا ہو۔

"حیرت ہے۔ آج تم میرے پاس چلی آئی ہو چاند.....؟" رحبانی نے کچھ طنزیہ انداز میں کہا تھا۔ وہ رخ بدل کر چاند کی طرف رخ کر کے بیٹھ گیا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ چاند صرف اسے چادر دینے چھت پر نہیں آئی

TheUrduBooks.Com
TheUrduBooks.Com

ہوگی۔

"اس میں حیران ہونے والی کیا بات ہے۔ کیا میں تمہارے پاس نہیں آسکتی۔"

"تم تو میری زندگی میں بھی آسکتی تھیں۔ لیکن جو تمہاری مرضی..... خیر بولو..... کس لیے آئی ہو۔" پہلے دُکھ سے اور پھر سرسری انداز میں رحبانی نے کہا۔ چاند کچھ اور گڑ گئی تھی۔

"ایمن کیسی ہے؟"

"کیا تم سچ میں ایمن کا حال پوچھنے آئی ہو۔؟"

"ہاں....."

"یہ بات تو تم کومل سے بھی پوچھ سکتی تھیں۔"

"کومل نے اس کی ظاہری حالت بتائی تھی۔ اندرونی حالت تو تم ہی بتا سکتے ہو۔"

"تمہیں اس سے کیا مطلب چاند....."

"روشن بیگم بہت پریشان ہیں رحبانی....." چاند اصل بات پر آئی تھی۔ رحبانی نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔ "وہ چاہتی ہیں کہ تمہاری اور ایمن کی شادی ہو جائے۔"

"انہوں نے خود تم سے ایسا کہا۔؟"

"ہاں..... اور یہ کام میرے ذمے لگایا ہے۔"

"اور تم نے مہان بنتے ہوئے انہیں رضامندی دے دی ہوگی....." رحبانی نے طنز کیا تھا۔ چاند اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ "اتنا مہان بننے کا شوق کیوں ہے تمہیں چاند..... کیا کوئی دیوی بننا چاہتی ہو تم.....؟"

"ایسے کیوں بات کر رہے ہو۔ ناراض ہو مجھ سے.....؟"

"میں کیوں ناراض ہوں گا تم سے..... ناراض ہونے کے لیے بھی کسی تعلق کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور میری زندگی میں تم کوئی حیثیت نہیں رکھتیں چاند..... ایک ذرے کے برابر بھی نہیں....." چاند کو بے حیثیت کرنے کے لیے وہ اس کی حیثیت مزید بڑھا رہا تھا۔ بتا تو رہا تھا کہ وہ اس سے ناراض نہیں ہے۔ لیکن درحقیقت دل میں بے پناہ نفرت پالے ہوئے تھا۔

"تم ایمن سے شادی کرو گے یا نہیں.....؟"

"ہرگز نہیں....."

"پھر ساتھ کیوں ہو اس کے....."

"تم پوچھنے والی کون ہوتی ہو چاند..... کیا لگتی ہو تم میری.....؟ کس حیثیت سے میرے پاس چلی آئی ہو۔ کیا اس حویلی میں تم سے پوچھنے والا کوئی موجود ہے۔؟ تم نے خود ساری زندگی شادی نہیں کی..... دین بابا اور بستامی کی بات نہیں مانی..... اب تم مجھ سے کیسے باز پرس کر سکتی ہو۔" رحبانی غصے سے بولتا چلا گیا تھا۔

"میں تو التمش کی بیوہ ہو۔ اس لیے میں نے دوبارہ شادی نہیں کی..... میں اس کے جتنا کسی کو چاہ نہیں سکتی تھی۔"

"پھر جان لو کہ میں بھی ایمن سے اس لیے شادی نہیں کر رہا کہ اسے اتنا نہیں چاہ سکتا..... جتنا....." اس نے چاند کو دیکھا تھا۔ "جتنا ایک وقت میں کسی اور کو چاہا تھا۔"

رحبانی نے کہا تھا۔ کسی حد تک دُکھ سے یا شاید نفرت سے..... پھر وہ جلدی سے وہاں سے چلا گیا تھا۔ چاند اپنی جگہ پر بے حس و حرکت کھڑی اسے جاتا ہوا دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

TheUrduBooks.Com
TheUrduBooks.Com

چودھویں کی رات کا وہ چاند اماوس ہو چکا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ نہ سجائی دے رہا تھا۔ پھر پہاڑی علاقوں کی رات..... جہاں قدم قدم پر درخت ہوتے ہیں۔ اتنے گھنے درخت کے چاند زمین پر بھی اتر آئے تو راستے دکھائی نہ دیں۔ تعبیر کو بھی کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ بھاگتی جا رہی تھی اور بس بھاگتی جا رہی تھی۔

اس نے گھر سے بھاگنے کے لیے رات کا وقت چنا تھا۔ بہت دنوں سے وہ آج کی رات کی پلاننگ کر رہی تھی۔ کمال اپنے بیوی بچوں کے پاس گیا ہوا تھا۔ وہ دو تین دن سے پہلے واپس آنے والا نہیں تھا۔ گھر کے مرد ملازم عشاء کی نماز کے بعد سو جایا کرتے تھے۔ چوکیدار جاگتا رہتا تھا۔ لیکن آج اتفاق سے وہ بھی کسی کام سے بڑے شہر گیا ہوا تھا۔ تعبیر کو ایسی ہی کسی صورتِ حال کا انتظار تھا۔ اور اس نے موقع کا فوراً سے فائدہ اٹھا لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

ان بہت سے دنوں میں ملازمہ سے اس نے باتوں باتوں میں سڑکوں کے بارے میں پوچھ لیا تھا کہ کون سی سڑک کہاں جاتی ہے۔ بڑی سڑک کتنی دُور ہے۔ اور چھوٹی والی کہاں کہاں جا کر ملتی ہے۔ ملازمہ اسے سب بتاتی گئی تھی اور تعبیر نے اپنے ہی اندازے سے صحن پر اس جگہ کا ایک نقشہ بنا لیا تھا۔ نقشے کی اصلیت زیادہ اہمیت نہ رکھتی تھی۔ اہم یہ تھا کہ وہ اس قام ہاؤس سے کیسے نکلتی ہے۔ راستے کہیں نہ کہیں تو جاتے ہی تھے۔ جو یقیناً اسے بھی کہیں پہنچا ہی دیں گے۔

اسے کھانا دے کر ملازمہ بھی اپنے کوارٹر میں سونے کے لیے چلی گئی تھی۔ تعبیر نے دکھاوے کو کھانا کھایا تھا۔ پھر جلدی سے اس نے اپنی دراز میں سے ان چابیوں کو نکال لیا تھا جو اس نے آج دوپہر میں ہی چرائی تھیں۔ موٹی شال اوڑھ کر گربہ پائی سے چلتی ہوئی وہ کمرے سے باہر نکلی تھی اور پھر اس سے بھی زیادہ آہستگی اور احتیاط سے آگے کی کارروائی کی گئی تھی۔ گھر کے دروازے تو کھلے ہوئے ہی تھے۔ باقی جو دروازے لاک تھے تعبیر نے بنا آواز کیے انہیں کھول لیا تھا۔

UrduNovels.com

صدر دروازہ کھول کر جب وہ باہر نکلی تو چند لمحے تک تو اسے یقین ہی نہیں آیا تھا کہ وہ اس دلدل سے باہر آنے میں کامیاب ہو گئی ہے۔ اس نے گہرا سانس لیا تھا اور پھر راستوں کا تعین کیا تھا۔ اسے سڑک پر نہیں بھاگنا تھا۔ سڑک پر کوئی بھی اسے دیکھ سکتا تھا۔ اس لیے وہ سڑک سے فاصلے پر درختوں اور جھاڑیوں کی اوٹ میں ہوتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ شروع میں اس نے اپنی رفتار کم رکھی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے پیروں تلے آتے خشک پتے بھی اپنی آواز پیدا کریں۔ پھر جب اسے اندازہ ہوا کہ وہ کافی دُور نکل آئی ہے تو اس نے بھاگنا شروع کر دیا تھا۔ چونکہ زندگی میں وہ کبھی نہیں بھاگی تھی اس لیے جلد ہی اس کا سانس پھول گیا تھا۔ لیکن آج وہ تھکنے والی نہیں تھی۔ اندھیرے میں وہ بمشکل سب کچھ ٹٹولتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔

اس رات گیدڑوں نے بہت شور کیا تھا۔ جھینگر حلق پھاڑ چلائے تھے۔ سب جیسے اس قسمت کی ماری ہوئی لڑکی کا ساتھ دے رہے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس کے بھاگنے کی آواز یا اس کی پھولی ہوئی سانسوں کی سرگم کو کوئی سن لے۔ سب نے اسے اس جگہ سے بھاگ جانے میں مدد کی تھی۔ درخت جیسے خود بخود پیچھے ہوتے اس کے لیے راستہ بناتے چلے گئے تھے۔ پگڈنڈیاں اس کے پاؤں میں خود سے چلی آئی تھیں۔ پاؤں تلے کے پتھر نرم گھاس میں بدل گئے تھے۔ پھر بھی وہ جلد تھک گئی تھی۔ اس کے سینے میں درد ہونے لگا تھا۔ ایسے جیسے وہ خشک ہو چکا ہو۔ لیکن اس نے کسی بات کی پروا نہیں کی تھی۔ اسے کسی قیمت پر رکنا نہیں تھا۔ یہ کمال سے نفرت تھی جو اس کی ہمت بندھائے ہوئے تھی۔ اس لیے وہ بس بھاگتی جا رہی تھی۔

اور اسی طرح بھاگتے ہوئے نجانے کیا بات ہوئی تھی کہ تعبیر کو رونا آ گیا تھا۔ اپنی قسمت پر رونا..... وہ اپنی ماں سے ملنے جا رہی تھی۔ کیسا وقت آ گیا تھا کہ اس پر کہ اسے اپنی ماں سے ملنے کے لیے دنوں پلاننگ کرنا پڑی

TheUrduBooks.Com
TheUrduBooks.Com

تھی۔ اور رات کے اس اندھیرے میں بھاگنا پڑ رہا تھا۔ وہ خطرے سے جان چھڑوا کر بھاگ رہی تھی۔ لیکن کیا یہ ایک نیا خطرہ نہیں تھا۔ رات کے اس پہر کوئی بھی اسے دبوچ سکتا تھا اور پھر وہ اس کا کچھ بھی کر سکتا تھا۔ اسے جان سے مار سکتا تھا یا اس کی عزت سے کھیل سکتا تھا۔

جب اپنے اندازے کے مطابق تعبیر بہت دُور نکل آئی تو وہ رک گئی۔ اور ایک جگہ پر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنا سانس درست کیا تھا۔ آنسو صاف کیے تھے۔ وہ کافی دُور نکل آئی تھی اور اتنے راستے گھوم چکی تھی کہ اگر ملازموں کو پتا چل بھی جاتا کہ وہ گھر سے بھاگ چکی ہے تو وہ اسے تلاش نہیں کر سکتے تھے۔

وہ رات بہت لمبی تھی۔ جیسے ہفتوں پر چھا گئی ہو۔ ٹیلے پر بیٹھے بیٹھے تعبیر نے اپنی پوری زندگی یاد کر لی تھی۔ اپنا بچپن، جوانی، شادی اور پھر شادی کے بعد کے دن بھی..... وہ نہیں جانتی تھی کہ صندل کہاں تھی لیکن اتنا ضرور جانتی تھی کہ صندل کے حصے کی جہنم کو اس نے سہا تھا۔

فجر کی پہلی اذان اس کے کانوں میں پڑی تھی جب وہ اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔ اس نے ہمت مجتمع کی تھی اور اٹھ کر پھر سے بھاگنا شروع کیا تھا۔ جب سورج کی ہلکی سی روشنی دھرتی پر پھیلنے لگی تو تب وہ سڑک کے سامنے ہوئی تھی۔ اب اسے کوئی دیکھ بھی لیتا تو گھبرانے والی بات نہیں تھی۔ وہ بہت دُور نکل آئی تھی۔ سڑک پر بہت دیر تک کھڑے رہنے کے بعد اسے دُور سے ایک ٹرک اپنی طرف آتا ہوا دکھائی دیا تھا۔ وہ سڑک کے بیچوں بیچ کھڑی ہو گئی تھی۔ ٹرک اس تک پہنچ کر رکا تھا۔ وہ ڈرائیور والی کھڑکی کی طرف گئی تھی۔

"میں بہت مشکل میں ہوں بھائی..... میری مدد کر دو۔ خدا تمہارا بھلا کرے گا۔" اس نے منت بھرے انداز میں کہا تھا۔ ڈرائیور نے سر سے پیر تک اس بدحال لڑکی کو دیکھا تھا۔

"کیا ہوا ہے۔؟ کیسی مدد چاہیے۔؟"

"مجھے بس اسٹاپ تک جانا ہے۔ جہاں سے ایبٹ آباد یا حویلیاں کی بس مل جائے۔"

"ٹھیک ہے بیٹھ جاؤ....."

"بہت بہت شکریہ....." تعبیر فوراً سے گھوم کر دوسری طرف گئی تھی۔ ڈرائیور نے دوسری طرف والا دروازہ کھول دیا تھا۔ تعبیر وہاں بیٹھ گئی تھی۔ ایک انجان مرد کے ساتھ بیٹھنا خطرناک ہو سکتا تھا۔ لیکن وہ اتنے مہینے ایک خطرناک ماحول میں رہی تھی کہ اب ہر طرح کا خطرہ اسے چھوٹا محسوس ہو رہا تھا۔

کشمیر کی اونچی نیچی سڑکوں پر سفر شروع ہوا تھا۔

"ٹرک میں تازہ سبزیاں ہیں۔ مجھے انہیں لے کر منڈی تک جانا ہے۔ آگے ایک چھوٹا بس اسٹاپ آئے گا۔ وہاں سے آسانی سے ٹیکسی مل جائے گی۔ تم وہاں سے اڈے تک جا سکتی ہو۔ اڈے سے حویلیاں یا ایبٹ آباد کی ویگن مل جائے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں چلی جاؤں گی۔ خدا تمہیں اس کا اجر دے گا۔" تعبیر نے کہا تھا اور پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔ بالآخر وہ اس قید سے آزاد ہو گئی تھی۔ باہر کے سرسبز درختوں کو دیکھتے ہوئے اس نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا تھا۔

☆☆☆

اس صبح کی بادِ صبا عام دنوں کی نسبت زیادہ ٹھنڈی تھی۔ زیادہ خوش گوار..... یا شاید ویسا تعبیر کو محسوس ہو رہا تھا۔ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے وہ مسلسل مسکرا رہی تھی۔

وہ سفر آدھے گھنٹے تک جاری رہا تھا۔ دن پوری طرح سے نکل آیا تھا۔ لیکن ابھی سڑکوں پر آمد و رفت جاری نہ ہوئی تھی۔ لوگ گھروں میں تو جاگ چکے تھے لیکن ابھی باہر نہ نکلے تھے۔ ٹرک ایک ایسی جگہ پر رکا تھا جہاں ایک

TheUrduBooks.Com
TheUrduBooks.Com
UrduNovels.com

بڑا احاطہ تھا اور ایک چھوٹی سی دکان..... اور وہاں تین ٹیکسیاں کھڑی تھیں۔

"میں باہر جا کر ٹیکسی کا انتظام کرتا ہوں۔" ٹرک ڈرائیور نے تعبیر سے کہا تھا۔ "تب تک تم یہاں ہی رہنا....." اسے تاکید کر کے وہ خود نیچے اُتر گیا تھا۔ پہلے وہ دکان کے اندر گیا تھا۔ اس نے شاید وہاں سے اپنے لیے سگریٹ لیا تھا۔ پھر باہر نکل کر سگریٹ پیتے ہوئے وہ باری باری سب ٹیکسی والوں سے بات کرنے لگا تھا۔ ایک سے دوسرے کے پاس جا رہا تھا۔ لیکن شاید بات نہیں بن رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اس کے پاس واپس آیا تھا۔

"کیا ہوا.....؟"

"بڑے اسٹاپ جانے کو کوئی تیار نہیں ہے۔"

"لیکن کیوں.....؟"

"وہاں جاؤ تو سو روپے کی پرچی کٹوانی پڑتی ہے۔ اس لیے وہاں جانے کے لیے کوئی تیار نہیں ہو رہا ہے۔"

"میں پرچی کے پیسے دے دوں گی۔" تعبیر نے اپنی سونے کی انگوٹھی اتار کر ڈرائیو کے آگے کی تھی۔ ٹرک ڈرائیور نے چند لمحے انگوٹھی کو دیکھا تھا۔

"اسے تم اپنے پاس رکھو..... کوئی نیا ٹیکسی والا آتا ہے تو میں دیکھتا ہوں۔" وہ کہہ کر پھر سے چلا گیا تھا۔ تعبیر بے چین ہونے لگی تھی۔ دن نکل آیا تھا۔ کہیں کوئی اسے دیکھ نہ لے۔ اور دیکھ کر پہچان نہ لے۔ کمال کے ملازم یقیناً اب تک اسے تلاش کرنے کے لیے نکل چکے ہوں گے اور بس اسٹاپ تک آنا تو ان کی پہلی ترجیح ہوگا۔

"ایک ٹیکسی والا جانے کے لیے تیار ہو گیا ہے۔ وہ دکان کے اندر ناشتا کر رہا ہے۔ ناشتے کے بعد تمہیں لے جائے گا۔ تم اندر چلی جاؤ..... مجھے منڈی جانا ہے۔ دیر ہو رہی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ تمہارا بہت بہت شکریہ بھائی....."

"کوئی بات نہیں....."

UUNovels.com

تعبیر نیچے اُتر آئی تھی۔ ٹرک ڈرائیور واپس اپنی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ اس نے تعبیر کو ایک نظر دیکھا تھا پھر اپنا ٹرک اسٹارٹ کیا تھا اور آگے بڑھ گیا تھا۔ تعبیر دکان کے اندر گئی تھی۔ جہاں دو ایک ٹیبل لگے ہوئے تھے۔ ایک آدمی ٹیبل پر بیٹھا ہوا تھا۔

"کتنی دیر لگے گی بھائی....." اس نے آدمی کی پشت پر پہنچ کر اس سے کہا تھا۔ آدمی نے اٹھتے ہوئے رخ تعبیر کی طرف کیا تھا اور پورا کشمیر تعبیر کے پیروں تلے سے نکل گیا تھا۔ کاؤنٹر والے آدمی نے جلدی سے آگے بڑھ کر دکان کا دروازہ لاک کر دیا تھا۔ وہ ایسا نہ بھی کرتا تو تعبیر میں کہاں ہمت رہی تھی کہ وہ وہاں سے بھاگ سکتی۔

کمال غضب ناک نظروں سے تعبیر کو دیکھ رہا تھا۔ اور پھر اگلے ہی پل اس نے زوردار تمانچا تعبیر کے منہ پر دے مارا تھا۔

☆☆

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ.....)

TheUrduBooks.Com
TheUrduBooks.Com